عہدِ نبویؐ کا نظامِ تعلیم

ڈاکٹر محمد حمید اللہ



عہدِ نبویؐ کا نظامِ تعلیم

ڈاکٹر محمد حمید اللہ

www.drmhamidullah.com

www.facebook.com/Dr.Muhammad.Hamidullah



عرب اور خاص کر مکہ معظمہ کی معاشرتی حالت کا جو قبل اسلام پائی جاتی تھی، اگر قریب سے مطالعہ کیا جائے تو ناگزیر اس نتیجہ پر پہنچنا پڑتا ہے کہ اس زمانہ کے عربوں میں غیر معمولی صلاحیتیں پائی جاتی تھیں۔ جب اسلامی تعلیمات نے ان صلاحیتوں کو صیقل کیا تو عربوں نے اپنی اپج اور کارکردگی کی قابلیت سے دنیا کو حیران کر دیا اور جب "وحدت اور حرکت کے مذہب" یعنی اسلام نے ان کی توانائیوں کو ایک مرکز پر جمع کیا اور ان میں مزید قوت پیدا کر دی تو یہی عرب اس قابل ہو گئے کہ پوری دنیا کو دعوتِ مبارزت دیں اور وقتِ واحد میں اس وقت کی دونوں عالمگیر شہنشاہیتوں یعنی ایران اور روم (بیز نطینہ) سے جنگ کریں۔

میں نے اپنے بعض مقالوں میں کسی قدر تفصیل سے بتایا ہے کہ زمانہ جاہلیت کی عربی خانہ جنگیاں عربوں کے کردار کو بنانے اور ان میں حیرت انگیز قوتِ برداشت اور دیگر اعلیٰ مہمات پسند قابلیتیں پیدا کرنے میں مدو معاون رہیں جن پر خود نپولین[1] کو رشک تھا۔ عرب میں معینہ اوقات پر لگنے والے بازاروں اور کاروانوں کی حفاظت کے لیے بدرقوں یا خفاروں کا انتظام کچھ اتنا مکمل اور وسیع ہو گیا تھا کہ اس نے پورے جزیرہ نمائے عرب میں ایک معاشی "وفاق" قائم کر دیا

---

1 سینٹ ہیلینا کی یادداشتیں (فرانسیسی) جلد ۳ ص ۱۸۳

تھا۔ جس سے عربوں میں وحدت کے خیالات پیدا ہونے لگ گئے تھے اور اسلام کے تحت ان کی "سیاسی وحدت" کا راستہ صاف ہو گیا تھا۔ اسی طرح شہری مملکتِ مکہ کا دستور بھی خاصہ ترقی یافتہ تھا، جس سے وہاں کے باشندوں کو اس بات کی تربیت مل چکی تھی کہ ایک عالمگیر شہنشاہیت کے نظم و نسق کو چلا سکیں۔[2]

آج میرے پیش نظر ایک اور مسئلہ ہے اور وہ ہے زمانۂ جاہلیت کے عربوں کی علمی صلاحیتیں بھی اتنی اچھی خاصی تھیں کہ ہجرت کی ابتدائی صدیوں میں عربوں نے علوم و فنون کی حیرت انگیز فصلیں کاٹیں۔ انہی صلاحیتوں کو اجاگر کرنا، ان کی خفیہ قابلیتوں کو بیدار کرنا اور ان کو مفید اغراض میں کام میں لانا، یہ البتہ اسلام کا کارنامہ ہے۔

عہدِ نبویؐ کے نظامِ تعلیم کا اس سے بہتر پس منظر کیا ہو گا کہ اسلام سے پہلے عرب میں علمی حالت جیسی کچھ تھی، اس کا خاکہ پیش کیا جائے۔

عرب میں زمانۂ جاہلیت میں تعلیم:

بد قسمتی سے ہمارے پاس زمانۂ جاہلیت کے تعلیمی مواد کے متعلق بہت کم معلومات محفوظ ہیں۔ اس کی کچھ تو یہ وجہ ہے کہ اس زمانے میں وہاں لکھنے کا زیادہ رواج نہ تھا اور کچھ یہ کہ لاکھوں کروڑوں کتابیں ہلاکو خان وغیرہ نے بغداد، قرطبہ اور دیگر مقامات پر ایسے زمانے میں تباہ کر دیں جب کہ ابھی فن طباعت سے کتابیں چھاپنے کا کام نہیں لیا جانے لگا تھا۔ اس دشواری کے باوجود جو کچھ تھوڑا بہت مواد ہم تک پہنچ چکا ہے اس کی مدد سے زمانہ جاہلیت کی تعلیمی حالت کا پتا چلتا ہے۔ جس سے ہمیں حیرت ہوتی ہے اور اس قوم کے متعلق رشک ہونے لگتا ہے جو ان پڑھ ہونے پر اتراتی تھی۔[3]

اولاً ان کی زبان کو لیجئے۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ کوئی زبان اپنے لغات، محاورات اور ادبی کمالات میں اس زمانے میں ترقی کرتی ہے جب اس کے بولنے والوں کا تمدن عروج پر ہو اور اس سے پہلے اس زبان کی حالت اتنی پست ہوتی ہے کہ اس

---

2 "شہری مملکت مکہ" جو رسالہ اسلامک کلچر جلد ۱۲ شمارہ ۳ میں شائع ہوا۔ ملاحظہ ہو۔

3 خود ایک حدیث میں ہے: "ہم ایک اُمّی قوم ہیں، لکھنا اور حساب کرنا ہمیں نہیں آتا۔" مختصر جامع بیان العلم ص ۳۵

کو جانوروں کی آواز سے کچھ ہی بلند قرار دیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ اس وقت اس زبان میں نہ تو اونچے اونچے خیالات ادا کیے جاسکتے ہیں اور نہ معمولی روزمرہ کی ضرورتوں کے سوا اس میں کوئی علوم و فنون ملتے ہیں۔ اگر اس معیار پر اسلام سے عین پہلے کی عربی زبان کو جانچا جائے تو ہم زبان کی نزاکت، لغات کی کثرت، قواعدِ صرف و نحو کے استحکام اور خاصے بلند معیار کے نظم کے ذخیرے کے باعث حیرت زدہ ہو جاتے ہیں۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مستند عربی زبان زمانۂ جاہلیت کی سمجھی جاتی ہے۔ اسلامی تمدن کے عہدِ زریں کی زبان کو یہ حیثیت حاصل نہیں ہے۔ اگر ہم زمانۂ حال کی کوئی زبان مثلاً جرمن، روسی، فرانسیسی یا انگریزی کو لیں، تو ان کے دو مولف جن میں مثلاً ڈیڑھ ہزار سال کا زمانہ حائل ہو، تو ایک ہی زبان کے یہ مؤلف ایک دوسرے کو بالکل نہیں سمجھ سکیں گے۔ اس کے برخلاف امراء القیس کی زبان اور قواعد صرف و نحو بالکل وہی ہیں، جو مثلاً زمانۂ حال کے مصری شعراء شوقی اور حافظ کے ہیں۔ قرآن اور حدیث اسی قدیم عربی زبان میں ہیں جس پر عربی شہنشاہیت کے تمدن نے کوئی اثر قائم کرنے کا موقع نہیں پایا تھا۔ قرآن اور حدیث زمانہ جاہلیت کے بدویوں کو بھی اسی سہولت سے سمجھ میں آتے تھے، جتنا آج کسی جدید عربی کے متعلم کو۔ اس زمانے میں عربی زبان، لغات کی حد تک اتنی وسیع اور متمول ہوگئی تھی کہ اس کا مقابلہ زمانۂ حال کی انتہائی ترقی یافتہ مغربی زبانوں سے بھی بآسانی کیا جاسکتا ہے۔ ان چیزوں کی مجھے تفصیل بیان بیان کرنی غیر ضروری ہے کیونکہ ہر عربی دان اس سے واقف ہے۔ میرا منشاء صرف اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ اسلام سے پہلے عربوں کی زبان جس پختگی اور وسعت سے بہرہ ور ہو چکی تھی۔ وہ یقیناً اس بات کے بغیر ممکن نہیں کہ اس سے پہلے اس زبان کے بولنے والوں میں ادبیات کی بڑی صلاحیتیں اور بڑے چرچے رہے ہوں۔

بے شمار نظمیں زمانۂ جاہلیت کی طرف منسوب ہیں۔ خود نثر میں بہت سے خطبوں، تقریروں، ضرب المثلوں، کہانیوں، کاہنوں اور حکموں (پنچ) کے فیصلوں وغیرہ کی صورت میں ہم تک ان کی یادگاریں پہنچی ہیں۔ ان کے دیکھنے سے ہر ناظر یہ اندازہ کرلے گا کہ اس زمانہ کے عربوں میں بلاغت، ظرافت، حسن ذوق اور دقتِ نظر کا معیار کتنا بلند تھا۔ خود لفظ

"عرب" کے معنی ہیں وہ شخص جو اپنا مطلب اچھے طور سے واضح کر سکتا ہو۔ تمام غیر عرب عجم کہلاتے ہیں، جس کے معنی گونگے کے ہیں۔

یہاں تک تو استنباطات اور قیاس آرائیاں ہوتی رہیں۔ خود تاریخی واقعات بھی مفقود نہیں ہیں۔ مدرسوں کے سلسلے میں کسے یقین آئے گا کہ اس زمانے میں وہاں نہ صرف تعلیم گاہیں تھیں بلکہ ایسی تعلیم گاہیں، جن میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں تعلیم پاتے ہوں؟ بہر حال ابن قتیبہ نے عیون الاخبار (جلد ۴ ص ۱۰۳) میں بیان کیا ہے کہ مکہ کے قریب رہنے والے قبیلہ ہذیل کی ضرب المثل فاحشہ عورت ظِلمہ جب بچی تھی، تو ایک مدرسہ جاتی تھی، جہاں اس کا سب سے دلچسپ مشغلہ یہ تھا کہ دواتوں میں قلم ڈال کر اور نکال کر کھیلا کرے۔ اس دلچسپ واقعے سے اتنا تو معلوم ہو جاتا ہے کہ قبیلہ قریش کے رشتہ داروں قبیلہ ہذیل میں ایسے مدرسے تھے، جو چاہے کتنے ہی ابتدائی نوعیت کے کیوں نہ ہوں، ان میں لڑکیاں اور لڑکے تعلیم پانے کے لیے جاتے تھے۔

بازار عکاظ میں ہر سال جو ادبی چرچا ہوا کرتا تھا، اس کے باعث اسے ایک "پان عرب لٹریری کانگریس" کہنا بے جا نہ ہو گا، عکاظ نے مؤرّخین اور مؤلفین کو ہمیشہ سے ہی لبھا رکھا ہے۔ حال میں جامعہ مصریہ کے پروفیسر احمد امین نے مجلّہ کلیۃ الادب میں اس موضوع پر ایک بہت اچھا مضمون لکھا ہے۔ مجھے یہاں عکاظ کی علمی سرگرمیوں کی تفصیل کی ضرورت نہیں۔ یہاں اس قدر کافی ہے کہ اس ادارے کا صرف نام لے لیا جائے، جس نے عربی زبان کو معیاری بنانے کے لیے اتنا نمایاں حصہ لیا ہے۔

غیلان بن سلمہ ثقفی کے متعلق بیان کیا جاتا ہے[4] کہ وہ ہفتہ میں ایک دن علمی جلسہ منعقد کرتا جس میں نظمیں پڑھی جاتیں اور ان پر تنقید ہوتی۔ ہفتے کے باقی دنوں میں وہ کسی دن عدل گستری کا کام سرانجام دیتا اور کسی دن دوسرے فرائض میں مشغول ہوتا۔ اس واقعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جاہلیت میں طائف والوں کا علمی ذوق بھی کتنا بلند تھا۔

---

[4] الازمنہ والامکنہ مولفہ مرزوقی جلد ۲ ص ۸۰-۷۹۔ نیز معارف ابن قتیبہ

اس زمانہ میں مکہ کی علم دوستی اس سے بھی کچھ زیادہ ہی بلند تھی۔ سبع معلقات مکہ ہی کے معبد کعبہ میں لٹکائے جاتے رہے اور اسی اعزاز و امتیاز نے ان سات نظموں کو عربی ادبیات میں ایک لافانی زندگی عطا کردی ہے۔ ورقہ بن نوفل مکہ کا ایک باشندہ تھا۔ اس نے زمانہ جاہلیت میں توریت اور انجیل کو عربی میں منتقل کیا تھا۔ غالباً یہ مکے والے ہی تھے جنہوں نے عربی زبان کو سب سے پہلے ایک تحریری زبان کی حیثیت عطا کی تھی۔[5] غالباً یہی وجہ تھی کہ یہاں کے اجڈ سپاہی بھی لکھے پڑھے ہوا کرتے تھے۔ اس کی مزید تفصیل آگے آئے گی۔

قصہ نویسی، ناول اور ڈرامہ زمانہ حال میں ادبیات میں بہت بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ مکہ والوں کو بھی اس کا بڑا ذوق تھا۔ چنانچہ چاندنی راتوں میں خاندانی اجتماع گاہوں پر یا شہر کے مرکزی دارالندوہ میں یہ لوگ جمع ہوتے اور پیشہ ور قصہ گو وغیرہ وہاں برجستہ یا سنے ہوئے قصے بیان کرکے دلچسپی کا سامان مہیا کرتے۔ اس کے کچھ حوالے میرے مضمون "شہری مملکت مکہ" میں ملیں گے۔

ادبی ذوق جاہلیت میں صرف عربوں ہی میں نہ تھا بلکہ عرب میں رہنے والی دوسری قوموں میں بھی اس کا پتا چلتا ہے۔ چنانچہ یہودی سموأل بن عادیہ اور دیگر یہودی اور نصرانی شعراء کے دیوان بھی پائے جاتے تھے۔ مدینہ منورہ کے یہودیوں نے ایک بیت المدارس قائم کر رکھا تھا، جو نیم عدالتی اور نیم تعلیمی ادارہ ہوا کرتا تھا اور اسلام کے آغاز تک اس کا پتا چلتا ہے۔ (دیکھیے سیرت ابن ہشام میں غزوہ بنی قنیقاع وغیرہ)۔ زمانہ جاہلیت میں عربی زبان میں لکھنے پڑھنے کی چیزوں کے لیے بڑی کثرت سے الفاظ ملتے ہیں۔ چنانچہ صرف قرآن مجید ہی میں حسب ذیل الفاظ کا ذکر ہے:

> رق اور قرطاس (کاغذ) قلیم، ن (دوات) نستنسخ، مرقوم، مسطور، مستطر، مکتوب، تخطّہ، تملیٰ، یملل (لکھنے کے معنی میں کو مختلف افعال پائے جاتے ہیں، یہ ان کے صیغے ہیں) کاتب، مداد (سیاہی) اسفار، زبر، کتب، صحف (کتابوں اور تحریری چیزوں کے معنوں میں) وغیرہ۔

---

[5] فہرست ابن ندیم س ۷، نیز کتاب الخراج مولفہ قدامہ بن جعفر کا ٹکڑا جو آکسفورڈ میں ہے (مگر غلطی سے قلاقہ کی طرف منسوب ہے)۔

غرض ان اور اسی طرح کی مماثل بنیادوں علوم وفنون کی وہ بلند عمارتیں بعد میں زمانہ اسلام کے عربوں نے کھڑی کیں، جن پر پورے کرۂ ارض کی علمی دنیا فخر کر سکتی ہے۔

قبلِ ہجرت اسلام:

یہ چیز عام طور سے معلوم ہے کہ اسلام کا آغاز اس وقت سے ہوا جب حضرت محمد ﷺ پر چالیس سال کی عمر میں پہلی وحی اتری۔ اس بات کا کوئی پتا نہیں چلتا کہ نو عمری میں آپؐ نے لکھنے اور پڑھنے کے فن میں حصہ لیا ہو۔ آپؐ عمر بھر اُمی ہی رہے۔ اس کے باوجود یہ کس قدر اثر انگیز واقعہ ہے کہ خدا کے پاس سے آپؐ کو جو سب سے پہلی وحی آئی، اس میں آپؐ کو اور آپؐ کے متبعین کو "اقراء" یعنی پڑھنے کا حکم تھا اور قلم کی ان الفاظ میں تعریف کی گئی تھی کہ جملہ انسانی علم اسی سے ہے۔

" پڑھ اپنے رب کے نام سے جو خالق ہے۔ جس نے انسان کو ایک جمے ہوئے قطرۂ خون سے پیدا کیا۔ پڑھ یہ تیرا بزرگ پروردگار ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے تعلیم دی اور انسان کو وہ چیز بتائی جسے وہ نہیں جانتا تھا۔ (قرآن مجید سورہ ۹۶۔ آیات ۱ تا ۵)

ایک حدیث میں رسول کریم ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ خدا نے سب پہلے قلم ہی کو پیدا کیا۔[6] سہولت کے لیے ہم بھی وہی مشہور تقسیم اختیار کر سکتے ہیں، جو قبل ہجرت و بعد ہجرت کے نام سے رسول کریم ﷺ کی زندگی کے متعلق استعمال کی گئی ہے اور اس تقسیم سے وہ زمانے بھی متعین ہو جاتے ہیں، جب آپ کے ہاتھ میں دنیاوی اقتدار تھا یا نہ تھا۔

---

[6] ترمذی ۶۸ / ۴۴، ابوداؤد ۱۶ / ۳۹، ابن حنبل جلد ۵ ص ۳۱۵، طیالسی ص ۵۷۷

یہ امر نمایاں کیے جانے کے قابل ہے کہ قریب قریب وہ تمام آیتیں جن میں لکھنے، پڑھنے کا یا علم سیکھنے کا ذکر ہے، وہ مکی آیتیں ہیں۔ اس کے بر خلاف مدنی آیتوں میں کام کرنے اور تعمیل کرنے پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ چنانچہ

۱۔ کیا وہ لوگ جو جانتے ہیں، اور جو نہیں جانتے برابر ہو سکتے ہیں؟ (قرآن مجید ۳۹/۹)

۲۔ تم کو علم سے تھوڑی مقدار دی گئی ہے۔ (قرآن مجید ۱۷/۸۵)

۳۔ اللہ سے اس کے بندوں میں صرف عالم ہی ڈرتے ہیں۔ (قرآن مجید ۳۵/۲۸)

۴۔ اور کہہ میرے آقا! مجھے علم میں زیادتی عطا کر۔ (قرآن مجید ۲۰/۱۱۴)

۵۔ تمہیں وہ چیز سکھائی گئی جو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے آباؤ اجداد۔ (قرآن مجید ۶/۹۲)

۶۔ اگر زمین کے تمام درخت قلم بن جائیں اور سمندر سات دیگر سمندروں کے ساتھ سیاہی بن جائے تو بھی رب کے کلمات ختم نہ ہو سکیں۔ (قرآن مجید ۳۱/۲۷)

۷۔ قسم ہے پہاڑ کی، اور قسم ہے ایک کتاب کی، جو لکھی ہوئی ہے ایک جھلی پر، جو پھیلائی گئی ہے۔ (قرآن مجید ۵۲/۱تا۳)

۸۔ قسم ہے دوات کی اور قلم کی اور اس چیز کی جو تم لکھتے ہو۔ (قرآن مجید ۶۸/۱)

۹۔ اگر ہم نے تجھ پر ایک واقعی تحریری چیز کاغذ پر لکھی ہوئی بھیجی ہوتی۔ (قرآن ۶/۷)

۱۰۔ اگر تمہیں معلوم نہ ہو تو یاد رکھنے والوں سے پوچھ لو۔ (قرآن مجید ۱۶/۴۳)

یہ تمام آیتیں مکی ہیں۔

کسی قوم میں پیغمبر کا مبعوث ہونا تعلیم کے سوا کسی اور غرض کے لیے نہیں ہوتا۔ چنانچہ ہمیں حیرت نہ ہو کہ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں ایک معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔[7] اس کی تائید قرآنی آیتوں سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

۱۔ (ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ نے دعا کی) اے ہمارے آقا! ان کے پاس انہی میں کا ایک رسول بھیج جو انہیں تیری آیتیں سنائے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے، تو ہی طاقت ور اور عقل مند ہے۔ (قرآن مجید ۲/۱۲۹)

۲۔ وہی ہے جس نے امیوں میں انہی کا ایک رسول بھیجا تاکہ انہیں اس کی آیتیں سنائے۔ ان کا تزکیہ کرے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے۔ اگرچہ اس سے پہلے وہ خاص گمراہی میں مبتلا تھے۔ (ایضاً ۶۲/۲)

۳۔ بے شک خدا نے ایمان والوں پر مہربانی کی جب اس نے ان کے پاس انہی میں کا ایک رسول بھیجا، جو انہیں اس کی آیتیں سناتا ہے۔ ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اگرچہ اس وہ اس سے پہلے فاش گمراہی میں مبتلا تھے۔ (ایضاً ۳/۱۶۴)

حقیقت میں تبلیغ اور تعلیم ایک ہی چیز ہیں۔ خاص کر ایسے شخص کے لیے جو مذہب و سیاست کو بالکل الگ اور ایک دوسرے سے آزاد چیزیں نہ سمجھتا ہو، اور جس کا مطمحِ نظر یہ ہو کہ:

”اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس دنیا میں بھی بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔“ (ایضاً ۲/۲۰۱)

---

7 ابن عبد البر کی مختصر جامع بیان العلم ص ۲۵

بیعت عقبہ ثانیہ جیسے ابتدائی زمانہ میں جو ہجرت سے بھی دو سال پہلے منعقد ہوئی تھی، کوئی ایک درجن مدینہ والوں نے اسلام قبول کیا تھا، تو ان کی خواہش پر رسول کریم ﷺ نے ان کے ساتھ مکہ سے ایک تربیت یافتہ معلم[8] روانہ کر دیا تھا، جو انہیں قرآن مجید کی تعلیم دے سکے اور دینیاتِ اسلام سے واقف کرا سکے۔ بے شبہہ اس ابتدائی زمانہ میں تعلیم سے مراد صرف مبادی دین اور عبادت کے طریقوں کی تعلیم ہی ہو سکتی تھی۔

زمانہ قبل ہجرت کی سب سے اہم چیز جو اس سلسلے میں بیان کی جا سکتی ہے، یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ نے کاتبوں کو مقرر کر رکھا تھا، جن کا کام یہ تھا کہ جیسے جیسے وحی نازل ہوتی جائے، اس کو لکھ لیں اور اس کی نقلیں کریں۔ چنانچہ تاریخ بتاتی ہے کہ جب حضرت عمرؓ اسلام لانے لگے تو انہیں قرآن مجید کی چند سورتیں اپنی بہن کے گھر میں لکھی ہوئی ملی تھیں اور بظاہر ان کی بہن بھی پڑھنا جانتی تھی۔

اس سلسلے میں سب سے آخر میں حضرت موسیٰؑ کے قصے کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں جو قرآن شریف کی ایک مکی سورت (کہف) میں مذکور ہے کہ کس طرح وہ طلب علم کے لیے گھر سے نکلے، سفر کی صعوبتیں برداشت کیں اور دل ہلا دینے والے تجربات حاصل کیے۔ اس قصے کا ماحصل یہ ہے کہ کوئی شخص کتنا ہی بڑا عالم ہو جائے، ہر چیز نہیں جان سکتا۔ اور کہ علم میں زیادتی کی خواہش ہو تو بیرونی ممالک کا سفر ناگزیر ہے۔[9]

بعد ہجرت:

ہمارے پاس بعد ہجرت زمانے کے متعلق جو مواد ہے، اس کو سنہ وار ترتیب کی جگہ فن وار مرتب کرنا زیادہ سہولت بخش ہوگا۔ مثلاً مدرسوں کا انتظام، امتحانات، اقامت خانے، ابتدائی تعلیم اور لکھنا پڑھنا سکھانے کا بندوبست، اجنبی

---

8 سیرت ابن ہشام ص ۴۸۹

9 طلب علم کے لیے سفر کے سلسلے میں دیکھیے مقدمہ دارمی ص ۴۶

زبانوں کی تعلیم، نصابِ تعلیم، عورتوں کی تعلیم، صوبہ جات میں تعلیمی انتظام، صوبہ جات میں دورہ اور تنقیح کرنے والے افسر وغیرہ

ہم ابھی اوپر بیان کر چکے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ہجرت سے بھی پہلے ایک معلم کو مدینہ منورہ کو مدینہ منورہ روانہ کیا تھا۔ جس کے کارنامے تاریخ نے محفوظ رکھے ہیں۔ جب ہجرت کے بعد رسول کریم ﷺ خود مدینہ منورہ پہنچے تو بے شمار اور بے حد اہم جنگی اور سیاسی مصروفیتوں کے باوجود آپؐ اس کے لیے وقت نکال لیا کرتے تھے کہ مدینہ منورہ سے ناخواندگی کو دور کرنے کے کام کی شخصی طور سے نگرانی کر سکیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں آپؐ نے سعید بن العاصؓ کا تقرر کیا تھا کہ لوگوں کو لکھنے اور پڑھنے کی تعلیم دیں۔ یہ بہت خوش نویس بھی تھے۔[10] رسول کریم ﷺ کو خواندگی سے اتنی دلچسپی تھی کہ ہجرت کے ڈیڑھ ہی سال بعد جب ساٹھ ستر مکہ والے جنگ بدر میں گرفتار ہو کر مدینہ لائے گئے تو آپؐ نے ان لوگو کا، جو مال دار نہ تھے، ان کی رہائی کے لیے یہ فدیہ مقرر کیا تھا کہ مدینہ کے دس دس بچوں کو لکھنا سکھائیں۔[11] حضرت عبادہ ابن الصامتؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجھے صُفّہ میں اس غرض سے مامور کیا تھا کہ لوگوں کو لکھنے کی اور قرآن مجید کی تعلیم دوں۔[12]

صُفّہ سے مراد مکان کا ملحق حصہ ہوتا ہے۔ یہ مسجدِ نبویؐ میں ایک احاطہ تھا، جو اس غرض کے لیے مختص کر دیا گیا تھا کہ باہر سے تعلیم کے لیے آنے والوں بلکہ خود مقامی بے گھرے طالب علموں کے لیے دارالاقامہ کا بھی کام دے اور مدرسہ کا بھی، اس اقامتی درسگاہ میں لکھنے پڑھنے کے علاوہ فقہ کی تعلیم دی جاتی تھی، قرآن مجید کی سورتیں زبانی یاد کرائی جاتی تھیں۔ فن تجوید سکھایا جاتا تھا اور دیگر اسلامی علوم کی تعلیم کا بندوبست تھا۔ جس کی نگرانی خود رسول کریم ﷺ

---

10 استیعاب ابن عبد البر ص ۳۹۳، نیز نظام الحکومت النبویہ مولفہ کتانی ۴۸ / ۱ بحوالہ ابو داؤد

11 ابن سعد ۱ / ۲ ص ۱۴، سہیلی ۲۹ / ۲، مسند ابن حنبل ۲۴۷ / ۱، کتانی کتاب مذکور ۴۸ / ۱

12 کتانی ۴۸ / ۱ بحوالہ ابو داؤد وغیرہ

شخصی طور پر فرمایا کرتے تھے اور وہاں رہنے والوں کی غذا کا بھی بندوبست کیا کرتے تھے۔ یہ طلبہ اپنے فرصت کے گھنٹوں میں طلبِ روزگار میں بھی مصروف ہوا کرتے تھے۔[13]

درس گاہ صُفّہ میں نہ صرف مقیم طلبہ کی تعلیم کا انتظام تھا بلکہ ایسے بھی بہت سے لوگ آتے تھے، جن کے مدینہ میں گھر تھے اور وہ صرف درس کے لیے وہاں حاضر ہوا کرتے تھے۔ وقتاً فوقتاً عارضی طور سے درس گاہ میں شریک ہونے والوں کی بھی کمی نہ تھی۔ مقیم طلبہ کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی اور ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک وقت ان کی تعداد ستر بھی تھی۔[14]

مقامی طلبہ کے علاوہ دور دراز کے قبائل سے بھی طلبہ آتے اور اپنا ضروری نصاب تکمیل کر کے اپنے وطنوں کو واپس ہو جاتے۔[15]

رسول کریم ﷺ اکثر اپنے کسی تربیت یافتہ صحابی کو قبائلی وفود کے ساتھ ان کے مسکنوں کو روانہ کر دیتے تاکہ وہ اس علاقے میں دینیات کی تعلیم کا بندوبست کریں، جس کے بعد وہ مدینہ واپس آجاتے۔[16]

ہجرت کے ابتدائی سالوں میں معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کی یہ مستقل پالیسی تھی کہ جب مدینہ کے باہر کے لوگ مسلمان ہوتے تو ان کو حکم دیا جاتا کہ ترکِ وطن کر کے مرکزِ اسلام کے قریب آبسیں۔[17] جہاں بعض وقت ان کو اپنی آبادی بسانے کے لیے سرکاری زمینیں بھی دی جاتیں۔[18]

---

13 بخاری باب سریۂ بیر معونہ

14 مسند ابن حنبل جلد ۳ ص ۱۳۷

15 بخاری باب رحمۃ البہائم نیز تفسیر طبری جلد ۱۱ ص ۵۰ نیز تفسیر خازن میں سورہ (۹) آیۃ ۱۲۲ کی تفسیر جہاں قرآن مجید میں حکم ہے کہ پوری قوم جہاد پر نہ جائے بلکہ چند لوگ تعلیم حاصل کر کے رہنمائی کا فریضہ انجام دیں نیز ابن عبد البر کی کتاب العلم ص ۲۰ تا ۲۱

16 کتانی کی کتاب الحکومۃ النبویہ جلد ۱ ص ۴۳ وما بعد

17 دیکھیے مفتاح کنوز السنہ لفظہ ہجرہ

ترکِ وطن کے اس حکم میں فوجی، سیاسی اور تمدنی جو اغراض پوشیدہ تھے، وہ ظاہر ہیں۔ ابن سعد[19] نے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ایک قبیلے میں جو نیا نیا مسلمان ہوا تھا، ایک معلم روانہ کیا۔ معلموں کو ہجرت کے متعلق جو عام ہدایتیں تھیں اس کی انہوں نے لفظی تعمیل کی اور کہنا شروع کیا کہ جو ہجرت نہ کرے وہ مسلمان ہی نہیں سمجھا جائے گا۔ قبیلے والے پریشان ہوئے مگر وہ سمجھدار تھے۔ انہوں نے اپنا ایک وفد مدینہ روانہ کیا تاکہ براہ راست رسول اکرم ﷺ سے معلوم کریں کہ ہجرت کے حکم کا منشاء کیا ہے اور یہ عرض کریں کہ انہیں اپنا وطن چھوڑنے میں کس قدر عظیم معاشی نقصان ہے۔ رسول کریم ﷺ نے ان کی مشکلات کو سن کر انہیں اجازت دی کہ وہ اپنے وطن ہی میں رہیں اور ان کے ساتھ وہی سلوک ملحوظِ خاطر رکھا جائے گا، جو اسلامی سرزمین میں ہجرت کرنے والوں کے ساتھ رکھا جاتا تھا۔

مدنی زندگی میں رسول کریم ﷺ کی یہ مستقل پالیسی تھی کہ قبائل میں تعلیم تربیت کے لیے معلم روانہ کریں۔ بیر معونہ کے مشہور واقعہ میں ستر (۷۰) قاریانِ قرآن بھیجے گئے تھے۔ جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ انہیں نجد کے ایک آباد علاقے میں اور کثیر قبائل میں کام کرنا تھا۔

قبائلی نمائندوں کا تعلیم کی غرض سے مدینہ آنا بھی کوئی شاذ ونادر واقعہ نہ تھا[20] اور جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، ایسے لوگوں کے طعام و قیام اور تعلیم و تربیت کی رسول کریم ﷺ خود شخصی طور سے نگرانی فرماتے تھے اور یہ لوگ عموماً صُفّہ میں ٹھہرائے جاتے تھے۔

مدینہ منورہ میں صُفّہ واحد درسگاہ نہ تھی بلکہ یہاں کم از کم نو مسجدیں خود عہدِ نبویؐ میں تھیں۔[21] اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ہر مسجد اپنے آس پاس کے محلہ داروں کے لیے درسگاہ کا بھی کام دیتی تھی۔ خاص کر بچے وہاں پڑھنے آیا

---

18 ابو داؤد جلد ۲ ص ۳۲ وغیرہ

19 طبقات ابن سعد باب الوفود

20 اس کی تفصیل اوپر آچکی ہے۔

کرتے تھے۔ قبا مدینہ منورہ کے جنوب میں مسجدِ نبویؐ سے کوئی ڈھائی دو میل پر واقع ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وقتاً فوقتاً رسول کریم ﷺ وہاں تشریف لے جاتے اور وہاں کی مسجد کے مدرسے کی شخصی طور سے نگرانی فرماتے۔[22] بعض احادیث میں رسول کریم ﷺ کے عام حکم ان لوگوں کے متعلق محفوظ ہیں جو اپنے محلے کی مسجد کے مدرسے میں تعلیم پاتے تھے۔[23] آنحضرت ﷺ نے یہ بھی احکام صادر کیے تھے کہ لوگ اپنے ہمسائیوں سے تعلیم حاصل کریں۔[24]

ایک دلچسپ واقعہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے بیان کیا ہے[25] کہ ایک دن جب رسول کریم ﷺ مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ وہاں دو قسم کے لوگ موجود ہیں۔ کچھ نوافل اور خدا کی عبادت میں مشغول تھے اور کچھ لوگ فقہ کی تعلیم و تعلم میں منہمک۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دونوں ہی لوگ اچھا کام کر رہے ہیں۔ البتہ ایک کا کام زیادہ اچھا ہے۔ جو لوگ خدا سے کچھ مانگ رہے ہیں، ان کے متعلق خدا کی مرضی ہے کہ چاہے تو دے، چاہے تو نہ دے۔ البتہ دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں، جو علم حاصل کر رہے ہیں اور جہالت دور کر رہے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ خود میں بھی معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ یہ کہتے ہوئے آپؐ نے اس حلقے میں اپنے لیے جگہ بنائی جہاں درس ہو رہا تھا۔

یہاں اس مشہور اور اکثر حوالہ دی جانے حدیث کا ذکر کیا جاسکتا ہے کہ ایک عالم شیطان پر ایک ہزار عابدوں سے زیادہ سخت گزرتا ہے۔[26]

---

21 ابو داؤد "کتاب المراسیل" نیز عینی شرح بخاری جلد ۲ ص ۴۶۸

22 ابن عبد البر کی کتاب العلم ص ۹۷

23 ابن عبد البر کی کتاب العلم ص ۱۴

24 کتانی کی نظام الحکومۃ النبویہ جلد ۱ صفحہ ۴۱

25 ابن عبد البر کی کتاب العلم ص ۲۵، نیز دیگر کتب حدیث

26 سیوطی کی جمع الجوامع تحت عنوان "عالم وفقیہ" بحوالہ بخاری و دیلمی، نیز ترمذی باب العلم۔

رسول کریم ﷺ خود بھی شخصی طور سے اعلیٰ تعلیم دیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ وغیرہ بڑے صحابہ ان درسوں میں شریک رہا کرتے تھے، جہاں قرآن وغیرہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ آنحضرت ﷺ مسجد نبوی کے حلقہائے درس کا اکثر معائنہ کیا کرتے تھے۔ اگر وہاں کوئی بے عنوانی نظر آتی تو فوراً تدارک فرما دیا کرتے۔ چنانچہ ترمذی میں ہے(27) کہ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں رسول کریم ﷺ نے قضاو قدر کے متعلق کچھ مباحثہ ہوتے سنا۔ آپؐ اپنے حجرہ سے باہر آئے۔ غصے کی وجہ سے آپؐ کا چہرہ تمتمار رہا تھا اور راوی کے الفاظ میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انار کا رس آپ کے رخساروں اور پیشانی پر نچوڑ دیا گیا ہے۔ آپؐ نے اس موضوع پر بحث مباحثے سے منع کر دیا اور ارشاد فرمایا کہ بہت سی گزشتہ امتیں اسی مسئلہ میں الجھ کر گمراہ ہو گئی تھیں۔

یہ رسول کریم ﷺ کی ایک طے شدہ پالیسی تھی کہ صرف وہی لوگ مسجدوں میں امام بنیں جو قرآن مجید اور سنت کے زیادہ سے زیادہ ماہر ہوں۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ کوششیں بیکار نہ گئیں۔ اور خواندگی میں اس قدر تیزی سے ترقی ہوئی کہ ہجرت کو چند ہی دن گزرے تھے کہ قرآن مجید نے حکم دیا کہ ہر وہ تجارتی معاملہ جس میں رقم ادھار ہو، صرف تحریری طور سے انجام پائے اور ایسی دستاویز پر کم از کم دو اشخاص کی گواہی لی جایا کرے۔ اس کا منشاء قرآن کے الفاظ میں یہ تھا کہ اس طرح کی تحریری گواہی "خدا کے نزدیک زیادہ منصفانہ ہے اور شہادت کے اغراض کے لیے زیادہ مستحکم وسیلہ ہے اور شبہات پیدا ہونے کی صورت میں رفعِ شک کا بہترین ذریعہ ہے"۔(28)

مدینہ میں خواندگی کی کثرت ہو جانے کے باعث اس حکم سے کوئی دشواری پیش نہیں آئی اور ظاہر ہے کہ ملک میں خواندگی کی وسعت کے بغیر ایسا حکم نہیں دیا جا سکتا تھا۔ گو اس میں شک نہیں کہ پیشہ ور کاتبوں کا بھی اس زمانے میں پتا چلتا ہے۔(29)

---

27 شمائل ترمذی بر موقع

28 قرآن مجید ۲/۲۸۲

29 کتانی کی نظام الحکومۃ النبویہ، ۲۷۵ تا ۱/۲۷۷

ہجرت کے بعد ہی سیاسی معاہدات، سرکاری خط وکتابت، ہر فوجی مہم میں جانے والے رضاکاروں کے ناموں کی فہرستیں[30] مختلف مقامات مثلاً مکہ، نجد، خیبر وغیرہ میں خفیہ نگار[31] جو عموماً تحریری طور سے آنحضرت ﷺ کو اپنے مقام کے حالات سے مطلع کیا کرتے تھے۔ نیز مردم شماری[32] اور اس طرح کی بہت سی چیزیں اس بات میں ممد و معاون ہوئیں کہ خواندگی روز بروز بڑھتی ہی جائے۔ تاریخ نے رسول کریم ﷺ کے کوئی ڈھائی تین سو خطوط محفوظ رکھے ہیں۔[33] صحیح تعداد اس سے بہت زیادہ ہونی چاہیے کیونکہ آنحضرت ﷺ کی حکومت دس لاکھ مربع میل کے علاقے پر چلتی تھی اور دس سال تک حکمرانی کے فرائض آپؐ کو انجام دینے پڑے تھے۔

عرب میں خطوط پر مہر کرنے کا رواج سب سے پہلے جناب رسالت مآب ﷺ ہی سے شروع ہوا۔[34] آپ کو خط کی صفائی اور وضاحت کا جس قدر لحاظ رہتا تھا، اس کا اندازہ ان چند احادیث سے ایک حد تک ہو سکتا ہے، جن میں آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ کاغذ کو موڑنے سے پہلے اس کی سیاہی کو ریگ ڈال کر خشک کر لو۔[35] یا یہ کہ حرف ''س'' کے تینوں شوشے برابر دیا کرو اور اس کو بغیر شوشوں کے نہ لکھا کرو۔[36] غالباً یہ حکم اس لیے تھا کہ شوشے نہ دینا احتیاط پسندی

---

30 کتانی کتاب مذکور جلد ا ص ۲۲۱ بحوالہ صحیح مسلم

31 کتانی ۳۶۲ تا ۳۶۳

32 صحیح بخاری ۱۸۱/۵۶، کتانی کے بیان کے مطابق ایک مرتبہ مسلم شماری کی فہرستوں سے پندرہ سو اندراجات شہر مدینہ میں ہونے معلوم ہوئے تھے۔ جو ظاہر ہے کہ ابتدائے ہجرت کا زمانہ ہو گا۔

33 اس پر جدید ترین تالیف الوثائق السیاسیہ کے نام سے میں نے شائع کی ہے۔

34 کتانی ۱/۱۷۷ فتوح البلدان مؤلفہ بلاذری باب الخاتم۔

35 کتانی ۱/۱۲۹

36 ایضاً وبابعد ۱۲۵/ اومابعد

کے فقدان اور سستی پر دلالت کرتا ہے۔ اور یہ کہ لکھتے ہوئے اگر کچھ رکنا پڑے تو کاتب کو چاہیے کہ قلم اپنے کان پر رکھ لے کیونکہ اس سے لکھوانے والے کی زیادہ آسانی سے یاددہانی ہوجاتی ہے۔[37]

عہدِ نبویؐ ہی میں یک فنی ذوق یا تخصیص ترقی کرگیا تھا اور خود جناب رسالت مآب ﷺ اس کی حوصلہ افزائی فرمایا کرتے تھے کہ جس کو قرآن سیکھنا ہو، وہ فلاں صحابی کے پاس جائے، جس کو تجوید یا تقسیم ترکہ کا حساب سیکھنا ہو، وہ فلاں کے پاس جائے وغیرہ۔[38]

متعدد حدیثوں میں معلموں کو معاوضہ قبول کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔[39] عبادہ بن صامتؓ کی روایت ہے کہ وہ درس گاہ صُفّہ میں قرآن اور فن تحریر کی تعلیم دیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شاگرد نے انہیں ایک کمان نذر کی مگر رسول کریم ﷺ نے انہیں اس کے قبول کرنے سے روک دیا۔[40]

ایک مملکت کے حاکمِ اعلیٰ کی حیثیت سے جناب رسالت مآب ﷺ کو مترجمین کی بھی ضرورت ہوا کرتی تھی، جو غیر زبانیں جانتے ہوں۔ چنانچہ حضرت زید بن ثابتؓ جو دربار رسالت کے میر منشی کہے جاسکتے ہیں، فارسی، حبشی، عبرانی اور رومی (یونانی) جانتے تھے۔[41] آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ ان کو حکم دیا تھا کہ وہ عبرانی خط لکھنا اور پڑھنا بھی سیکھ لیں اور چند ہفتوں میں وہ اس میں طاق ہوگئے تھے۔[42] چنانچہ یہودیوں کو اگر کوئی خط بھیجا جاتا یا ان کے پاس سے کوئی خط آتا تو حضرت زید بن ثابتؓ اس کو لکھ یا پڑھ لیا کرتے تھے۔

---

37 ایضاً ۱۲۵ / و مابعد

38 طبقات ابن سعد بر موقع

39 سیوطی کی جمع الجوامع تحت عنوان "علماء" بحوالہ طبرانی نیز بخاری ۱۶ / ۷، ۱۳ ابوداؤد ۳۶ / ۲۲

40 ابوداؤد جلد ۲ ص ۱۲۹، اس کا ذکر شبلی کی سیرۃ النبیؐ طباعت دوم جلد ۲ ص ۸۸ میں بھی ہے۔

41 کتانی ۲۲ / ۱ بحوالہ العقد الفرید مؤلفہ ابن عبدربہ وغیرہ۔

42 ایضاً ۲۰۳ / ۱ بحوالہ بخاری وغیرہ

نصاب کا مسئلہ ایسا ہے کہ اس پر پوری صحت کے ساتھ بیان دینا دشواری سے خالی نہیں۔ ہمارے پاس جو مختصر و محدود مواد ہے، اس سے پتا چلتا ہے کہ ہر جگہ ایک ہی نصاب جاری نہ تھا۔ معینہ کتب پڑھانے کی جگہ معینہ معلم کے پاس لوگ جاتے اور وہ جو پڑھا سکتا، اس سے پڑھتے۔ بہر حال اتنا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن و سنت کے ہمہ گیر نصاب کے علاوہ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا تھا کہ نشانہ بازی،[43] پیراکی،[44] تقسیم ترکہ کی ریاضی،[45] مبادی طب،[46] علم ہئیت،[47] علم انساب،[48] اور علم تجویدِ قرآن[49] کی تعلیم دی جایا کرے۔ ایک حدیث میں یہ حکم بھی ہے کہ استاد کی عزت کی جائے۔[50]

مکہ کے باشندوں کو زبان کی صفائی کا بے حد لحاظ رہتا تھا اور وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ ان کے بچے صحرا کی آزاد زندگی میں پرورش پائیں اور مکہ کی رنگارنگ آبادی میں مل کر متاثر نہ ہوں۔ اسی لیے وہ اپنے نوزائیدہ بچوں کو مختلف قبائل میں بھیج دیتے تھے، جہاں وہ کئی سال رہ کر والدین کے پاس واپس آتے۔ خود رسول کریم ﷺ کو بھی اس سے سابقہ رہا تھا اور آئندہ زندگی میں بھی آپ اسے یاد کیا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ معززینِ مکہ میں اس کا رواج آج بھی چلا آتا ہے۔

---

43 جامع الجوامع مؤلفہ سیوطی تحت عنوان "علموا" بحوالہ ابن مندہ، ابو نعیم و دیلمی

44 ایضاً تحت عنوان ابو نعیم و ابن مندہ

45 ایضاً تحت عنوان "تعلموا" بحوالہ طبرانی و دار قطنی وغیرہ نیز ابن عبد البر کی کتاب العلم ص ۸۰، ابو داؤد ۱/۱۸، ابن ماجہ ۱/۲۳

46 سیوطی کی جمع الجوامع تحت عنوان "تعلمن" بحوالہ مالک

47 ایضاً تحت عنوان "تعلموا" بحوالہ ابن سنی

48 ایضاً تحت عنوان "تعلموا من انسابکم" بحوالہ مالک و ترمذی بیہقی و طبری

49 ایضاً تحت عنوان "تعلموا من امر النجوم" بحوالہ دیلمی۔

50 جمع الجوامع سیوطی تحت عنوان "تعلموا" بحوالہ طبرانی۔

تربیت دلانے کا ایک دوسرا طریقہ مکہ والوں نے یہ اختیار کیا تھا کہ تجارت کے لیے جو کاروان جایا کرتے تھے، اس میں کسی معمر کے ساتھ نوعمروں کو بھیج دیا کریں۔ چونکہ مکہ کی معاشی زندگی کا دارومدار بہت بڑی حد تک تجارت پر تھا، اس لیے اس طریقے کی اہمیت مکہ والوں کے لیے جیسی کچھ تھی، ظاہر ہے سفر کے تجارب کا فائدہ ماسوا تھا۔

اس زمانے میں نوعمروں اور معمروں کی تعلیمی ضرورتوں کے فرق کو محسوس کر لیا گیا تھا۔ چنانچہ احادیث میں واضح الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ بچوں کو کن چیزوں کی تعلیم دینی چاہیے۔ نشانہ بازی اور پیراکی خاص طور سے بچپن ہی سے سکھائی جاتی تھی۔ اسی طرح نماز پڑھنے کا طریقہ بھی بچپن ہی سے بچوں کو سکھایا جاتا تھا اور سات برس کی عمر کے بعد بچے نماز نہ پڑھیں تو سزا دینے کا حکم تھا۔[51]

عورتوں کے ساتھ علیحدہ سلوک کیا جاتا تھا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ہفتے میں ایک دن مقرر کیا تھا، جب آپؐ عوتوں کے خصوصی مجمع میں تشریف لے جاتے، ان کو تعلیم دیتے اور ان کے سوالات کا جواب دیتے۔[52] آنحضرت ﷺ نے عورتوں کے لیے چرخہ کاتنا سب سے اچھا مشغلہ قرار دیا تھا۔[53] ایک حدیث میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک خاتون سے خواہش کی کہ وہ آپؐ کی بیوی کو لکھنے پڑھنے کی تعلیم دیں۔[54] آنحضرت ﷺ کی زوجہ مطہرہ بی بی عائشہؓ کو فقہ اور دیگر اسلامی علوم، نیز ادب، شاعری اور طب میں بڑا دخل تھا۔[55] یہاں تک کہ ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ آدھا علم عائشہؓ سے حاصل کرو۔[56] قرآن نے بھی رسول

---

51 جمع الجوامع سیوطی تحت عنوان "علموا بصی" بحوالہ ابن حنبل و ترمذی و بغوی۔

52 صحیح بخاری کتاب العلم

53 جمع الجوامع سیوطی تحت عنوان "علموا" (نعم لهوالمومنة فی بیتها الغزل) بحوالہ ابونعیم وابن مندہ

54 کتانی ۴۹ تا ۵۵ / ۱ بحوالہ قاضی عیاض وابوداؤد

55 سیرۃ النبیؐ مولفہ شبلی طبع دوم ۴۰۷ / ۲

56 احادیث فضل عائشہؓ کی کسی کتاب میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

کریم ﷺ کی بیویوں پر ایک خصوصی فریضہ عائد کیا کہ وہ دوسروں کو تعلیم دیا کریں۔[57] ایک حدیث میں بیان ہوا ہے کہ جس کے پاس کوئی لونڈی ہو اور وہ اسے تعلیم دے اور اچھی تعلیم دے اور اس کی تربیت کرے اور اچھی تربیت کرے، پھر اس کو آزاد کر کے باضابطہ نکاح کرے، تو اسے دگنا ثواب ملے گا۔[58]

رفتہ رفتہ مملکتِ اسلامیہ جو ابتداًء ایک شہر مدینہ کے کچھ حصہ پر مشتمل تھی، پھیلتی گئی اور نہ صرف خانہ بدوش بدوی بلکہ شہروں میں مستقل طور سے سکونت اختیار کرنے والے عربوں نے بھی بڑی تعداد میں اسلام قبول کرنا شروع کیا۔ ایک نئے دین کے قبول کرنے کا ناگزیر نتیجہ تھا کہ ایک وسیع تعلیماتی نظام قائم ہو، جو دس لاکھ مربع میل کے رقبے کی ضرورتوں کو پورا کر سکے۔ عہدِ نبوی ﷺ کے اختتام پر حکومتِ اسلامی باوجود اس قدر وسیع رقبے پر مشتمل ہونے کے دینیات کی تعلیم کی ضرورتوں سے اچھی طرح عہدہ بر آ ہونے لگی تھی۔ کچھ تو مرکز مدینہ سے بڑے بڑے مقامات پر تربیت یافتہ معلم بھیج دیے جاتے تھے اور کچھ صوبہ وار گورنروں کے فرائضِ منصبی میں یہ امر صراحت کے ساتھ شامل کر دیا جاتا تھا کہ وہ اپنے ماتحت علاقے کی تعلیمی ضرورتوں کا مناسب انتظام کریں۔[59] یمن کے گورنر عمرو ابن حزم کے نام جو طویل تقررنامہ یا ہدایت نامہ جناب رسالت مآب ﷺ نے لکھا ہے، اسے تاریخ نے محفوظ رکھا ہے۔[60] اس میں بھی گورنر کو ہدایت ہے کہ لوگوں کے لیے قرآن، حدیث، فقہ، اور علومِ اسلامیہ کی تعلیم کا بندوبست کریں۔ اسی دستاویز میں ایک دلچسپ جملہ ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہبی اور دنیاوی تعلیم میں کس طرح فرق کرنا چاہیے اور وہ جملہ یہ ہے کہ "لوگوں کو اس بات کی نرمی سے ترغیب دو کہ وہ دینیات کی تعلیم حاصل کریں۔[61] گورنروں کو جس تعلیم

---

57 قرآن مجید ۳۴/۳۳

58 ابن عبد البر کی کتاب العلم ص ۲۶

59 کتانی ۴۳/۱ و مابعد

60 سیرت ابن ہشام ص ۹۶۱ تا ص ۹۶۲، تاریخ طبری ص ۲۷ تا ص ۲۹، کتانی ۲۴۸ تا ۲۴۹/۱ وغیرہ

61 جمع الجوامع سیوطی تحت عنوان "علموا" (علموا ولا تعنفوا فان العلم خیر من العنف۔ علموا ویسروا ولا تعسروا) بحوالہ ابن سعد و بیہقی وابن حنبل۔

کے رائج کرنے کا حکم ہوا تھا، اس میں دینیاتی ضرورتوں مین سے وضو، جمعہ کا غسل، نماز باجماعت، روزہ اور حجِ کعبہ کے احکام شامل تھے۔

صوبہ وار درسگاہوں کا معیار بلند کرنے کے لیے رسول کریم ﷺ نے صوبہ یمن میں ایک صدر ناظر تعلیمات مقرر کیا تھا، جس کا کام یہ تھا کہ مختلف اضلاع و تعلقات میں ہمیشہ دورہ کرتا رہے اور وہاں کی تعلیم اور تعلیم گاہوں کی نگرانی کرے۔[62] کوئی تعجب نہیں جو دیگر صوبہ جات میں بھی اس طرح کے افسر مامور کیے گئے ہوں۔

آخر میں تعلیم کی نظری حیثیت کے متعلق قرآن و حدیث کے بعض احکام کی جانب اشارہ کرنا بے محل نہ ہو گا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہم دیکھتے ہیں کہ شروع سے آخر تک بار بار اور صاف و صریح الفاظ میں اندھی تقلید کو برا ٹھہرایا گیا ہے[63] اور اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ ہر شخص خود اپنے طور پر غور و فکر کرے اور کسی رسم و رواج کی پیروی محض آبائی و موروثی ہونے کی بنا پر نہ کرے۔[64] کسی اور مذہبی کتاب میں فطرت کے مطالعہ پر اتنا زور نہیں دیا ہو گا جتنا قرآن مجید میں ہے کہ سورج، چاند، سمندر کی موجیں، دن اور رات، چمکتے ہوئے ستارے، دمکتی فجر، پودے اور حیوانات، تمام ہی قوانینِ فطرت کے تابع بتائے گئے ہیں۔ جن سے ان کے خالق کی قدرت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ قرآن مجید کے مطابق علم لا متناہی ہے۔[65] اور بڑے سے بڑے عالم کا علم بھی تھوڑا ہی ہوتا ہے۔ یہ کہ سارا عالم انسان کی خدمت کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور انسان جو زمین میں خدا کا نائب ہے، اپنے برتاؤ اور کردارے کے مطابق جانچا جائے گا۔ اسی طرح قرآن مجید میں اس کا بھی بار بار ذکر ہے کہ حق و صداقت کی پیروی کی جانی چاہیے اور موروثی عقائد و رواجات سے متاثر نہیں ہونا چاہیے۔

---

62 تاریخ طبری ص ۱۸۵۲، ۱۹۸۳ (احوال ۱۱ھ)

63 ابن عبد البر کی کتاب العلم ص ۱۶۷، باب ذم التقلید بحوالہ آیت (اتخذو احبارھم ورھبانھم ارباباً من دون اللہ)

64 طلب علم کی فضیلت کے لیے دیکھو ابو داؤد ۱، ۲ / ۲۴، مقدمہ دارمی ص ۳۱ وغیرہ، ترمذی ۲، ۱۹ / ۳۹

65 قرآن مجید ۵۸ / ۱۷ ا قرآن مجید میں قصہ موسیٰؑ و خضر کا مقصد بھی طلب علم کی فضیلت اور علم انسانی کی قلت کو نمایاں کرنا ہے۔

احادیث میں بھی علماء کی بڑی تعریف کی گئی ہے اور ان کو سب سے بہتر انسان قرار دیا گیا ہے۔[66] حتیٰ کہ ان کو انبیاء کا وارث قرار دیا گیا ہے۔[67] آخر میں ایک حدیث کا ذکر کیا جا سکتا ہے، جس کا اکثر حوالہ آتا ہے۔ اگرچہ ماہرین اس کو اس کے موجودہ الفاظ میں صحیح نہیں سمجھتے لیکن اس کا مفہوم قرن و حدیث کی عام تعلیمی پالیسی سے بالکل متفق ہے یعنی "علم حاصل کرو اگرچہ چین ہی کیوں نہ جانا پڑے کیونکہ علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت کا فریضہ ہے"۔[68]

ایک حدیث میں یہ دعا ماثور ہے کہ "اے خدا! میں تجھ سے علمِ نافع، رزقِ طیب اور عملِ مقبول کی استدعا کرتا ہوں"[69] اور اسی پر یہ تبصرہ ختم کیا جاتا ہے۔

اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا، وَرِزْقًا طَيِّبًا، وَعَمَلًا مُتَقَبَّلًا

آمین!

---

[66] من یرد اللہ بہ خیراً یفقہ فی الدین (بخاری ۱۰-۱۳/۱۰۳، ۱۰/۹۶، ترمذی ۱/۳۹، ترمذی ۱/۹۶، مقدمہ ابن ماجہ ص ۱۷، مقدمہ دارمی ص ۲۳، ابن عبد البر کی کتاب العلم ص ۱۶، حدیث خیر الناس العلماء والمتعلمون (مقدمہ دارمی ص ۲۵ و ص ۳۱، ابو داؤد ۱، ۳/۲۴۔

[67] العلماء ورثۃ الانبیاء (بخاری ۱۰/۳، ترمذی ۹/۱۳۹ ابن عبد البر کی کتاب العلم ص ۲۱)

[68] اطلبوا العلم ولو بالصین فان طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ (ابن عبد البر کی کتاب العلم بیہقی کی شعب الایمان، ابن عدی کی الکامل اور سیوطی کی جامع الجوامع میں یہ حدیث ہے۔)

[69] حدیث نبویؐ بحوالہ کتاب العلم مؤلفہ ابن عبد البر ص ۸۴